رُوداد اجتماع دربھنگہ

از سید عبدالعزیز صاحب شرقی

[افسوس ہے کہ جگہ کی قلت کے باعث اس مرتبہ "اشارات" درج نہیں کیے جاسکے تاکہ اجتماع دربھنگہ کی پوری روداد ایک ہی اشاعت میں درج ہوجائے۔ ایڈیٹر]

حسب اعلان ۲۱، ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو شرقی یوپی اور بہار کے ارکانِ جماعت کا اجتماع دربھنگہ میں منعقد ہوا جس میں حسب ذیل ارکان شریک ہوئے :-

مرکز سے مولانا مودودی صاحب (امیر جماعت) اور سید عبدالعزیز شرقی۔ لاہور سے جناب نصراللہ خاں صاحب عزیز مدیر مسلمان۔ الٰہ آباد سے ڈاکٹر نذیر علی صاحب زیدی، محمد اسحاق صاحب و عبدالرشید صاحب۔ سرائے میر سے مولانا امین احسن صاحب و مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی۔ پٹنہ سے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی، تقی الدین صاحب نعمانی، حافظ محمد عثمان صاحب، ڈاکٹر نورالعین صاحب اور ڈاکٹر غیاث الدین صاحب۔ مونگیر سے جناب فضل الرحمٰن صاحب (سابق وکیل)۔ دربھنگہ سے سید محمد حسنین صاحب جامی۔

ارکان کے علاوہ آٹھ دس ہمدردانِ جماعت بھی مختلف مقامات سے آگئے تھے۔

اجتماع کے لیے دربھنگہ کی آبادی سے ڈیڑھ دو میل دور سرسبز کھیتوں کے درمیان ایک الگ تھلگ مقام تجویز کیا گیا تھا تاکہ سکون کے ساتھ کام کیا جاسکے۔ ۲۱ اکتوبر کی صبح کو پہلی نشست ہوئی۔ تلاوتِ قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے ارکانِ جماعت کا ایک دوسرے سے تفصیلی تعارف ہوا۔ اس کے بعد مولانا مودودی صاحب نے ایک افتتاحی تقریر کی اور حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی :-

۱۔ تحریک اس وقت کس مرحلہ پر ہے؟

۲۔ ارکان اور جماعتوں کی حالت کیا ہے ؟

۳۔ کس نوعیت کی مشکلات درپیش ہیں ؟

۴۔ مالی حالات کیسے ہیں ؟

۵۔ کام کو کس نقشہ پر آگے بڑھانا مدنظر ہے ؟

۶۔ ہماری تحریک اور دوسری تحریکوں کی نوعیت میں فرق کیا ہے ؟

۷۔ کس قسم کے کام اصل انقلابی حرکت سے پہلے کرنے ضروری ہیں ؟

۸۔ بعض ارکانِ جماعت میں جو سردمہری پائی جاتی ہے اس کے اصل وجوہ کیا ہیں ؟

۹۔ کن غلط فہمیوں کے ماتحت محدود پروگراموں کا مطالبہ کیا جا رہا ہے ؟

پوری تقریر کو لفظاً بلفظ یہاں نقل کرنا تو مشکل ہے البتہ جماعت کی رہبری کے لیے تقریر کے ضروری حصے یہاں پیش کیے جاتے ہیں :-

"ہماری تحریک اس وقت چند ارتقائی منازل کو عبور کرتی ہوئی اِس مرحلہ پر پہنچ گئی ہے کہ جہاں تک ہمارے نصب العین کا تعلق ہے، ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اس سے متاثر ہو چکی ہیں اور وہ بات جسے تین چار سال پہلے ہماری سیاسی اور مذہبی جماعتیں زبان پر لانے کے لیے تیار نہیں تھیں، اب اسے بیشتر جماعتیں اپنا نصب العین قرار دینے لگی ہیں۔ لیکن یہ چیز خواہ ہمارے لیے کتنی ہی باعث مسرت ہو، ہمیں اس پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہیے کیونکہ جہاں تک مسلم جماعتوں کا تعلق ہے، وہ بڑی آسانی سے اس نصب العین کو قبول کر لیتی ہیں مگر اسی آسانی سے اس نصب العین کے مخصوص طریق کار اور ذمہ داریوں اور اخلاقی مقتضیات کو قبول نہیں کر سکتیں۔ اس وقت یہ خطرہ درپیش ہے کہ کہیں یہ نصب العین ہنگامہ پسند جماعتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر نہ رہ جائے اور وہ اس کو ایک سنجیدہ مقصدِ حیات کی حیثیت سے کرا ٹھنے کے بجائے دنیا کے سامنے ایک ضحوکہ نہ بنا دیں۔ لہٰذا اب زور اس پہلو پر دینے کی ضرورت ہے کہ اس نصب العین کے لیے جدوجہد کرنا تو درکنار، اس کا نام زبان پر لانے کے لیے بھی اعلیٰ درجہ کے کیرکٹر کی ضرورت ہے۔ اسی پہلو

سے نشرِ افکار کی مہم اس زور سے شروع ہو جاتی چاہیے کہ حکومتِ الٰہیہ کا نعرہ بلند کرنے والی جماعتیں دیانتدارانہ طریقہ کی اخلاقی ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں اور اس نعرہ کے اقتضا کے مطابق کام کریں۔ یا اگر انھیں کسی دوسرے راستہ ہی پر چلنا ہو تو عوام فریبی سے باز آجائیں۔

خطرہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پچھلے پچیس تیس سال سے مسلمانوں کی سیاسی تربیت بہت غلط طرز پر ہوئی ہے۔ ان کی مستقل اجتماعی خصلت یہ بن گئی ہے کہ ایک تخیل پر ٹھوس کام کرنے کے بجائے کسی نقشۂ کار (Plan) کو مرتب کیے بغیر شور مچا دیتے ہیں۔ یہ غلط طرزِ تحریک جو جمود سے کچھ کم مضر نہیں ہے بہت مقبولِ عوام ہے لیکن ہم اسے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں تحریک کا پورا نقشۂ کار مرتب کرنے (Planning) سے پہلے دعوت کو ہنگامہ پسند عوام تک پہنچانے سے احتراز کرنا ہے۔ خوب سوچ لیجیے کہ جس میدانِ جنگ میں آپ اتر رہے ہیں اس میں دشمن کے مورچے کدھر کدھر اور کس ترتیب سے پھیلے ہوئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آپ کو کس طرز پر مورچہ بندی کرنی ہے، آپ کے کمزور پہلو کون کونسے ہیں، آپ کی جمعیت کو کس کس پہلو سے مضبوط ہونا چاہیے، پیش قدمی کدھر سے ہو اور کس رفتار سے ہو۔ غرض یہ کام ہلڑ مچانے سے نہیں ہوگا۔ اس کے لیے تو ایک ہشیار جنرل کی دور بینی و وسیع النظری ہو، اس کے ساتھ ایک نظامِ اطاعت میں جکڑی ہوئی جمعیت کی جدوجہد مطلوب ہے۔

"موجودہ مرحلہ کی نزاکت کچھ اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ جہاں تک بنیادی افکار کا تعلق ہے ان کو پھیلانے میں ہم بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں لیکن ہمارے پاس ایسی سیرت اور ایسی اعلیٰ قابلیتیں رکھنے والا ایک منظم گروہ مہیا نہیں ہو سکا ہے جو دنیا کے سامنے ان عملی تفصیلات کو پیش کر سکے جن کی مانگ ہمارے ان افکار پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے والے لوگوں میں فوراً پیدا ہو جاتی ہے۔ جب لوگ ہم سے اجتماعی زندگی کا وہ تفصیلی نقشہ مانگنے لگتے ہیں جو ہمارے نظامِ فکر کی بنیاد پر بننا چاہیے تو ہم اسے پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ محض اس لیے کہ ان تفصیلات کو مرتب کرنا ایک شخص واحد کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صاحبِ فکر محققین کا ایک گروہ درکار ہے جو بہم محنت اور کاوش سے اس کام کو انجام دیتا رہے۔"

"ہماری دعوت پر لبیک کہنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد روشن اور تاریک دونوں پہلو رکھتی ہے۔ روشن پہلو یہ کہ ہماری طرف مسلمانوں کا وہی عنصر کھنچ رہا ہے جو صالح اور کارآمد ہے۔ ہماری پکار پر جو لوگ "نَحْنُ اَنْصَارُ اللہ" کہہ کر جمع ہوئے ہیں ان میں ایک نہایت خوشگوار اخلاقی تغیر پایا جاتا ہے۔ لیکن اس روشن پہلو کے ساتھ تاریک پہلو یہ ہے کہ ارکانِ جماعت میں صبر اور اپنے مقصد سے گہری وابستگی اور اپنے "ہولناک عہد" کی ذمہ داریوں کے احساس میں کمی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بہت جلدی سرد مہری پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اگر پیہم اکسانے اور گرمانے کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ گویا اگر اکسانے والا نہ ہو اور کوئی دلچسپ کام ان کو فوراً نہ بتا دیا جائے تو "اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ" کی صورت بہت آسانی سے رونما ہو سکتی ہے۔ ہمارے ارکان میں یہ تصور پوری شدت سے کارفرما نہیں ہے کہ شعور و ادراک اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ شہادتِ توحید و رسالت ادا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کا عہد کسی شخص یا جماعت کے ساتھ نہیں بندھ رہا ہے بلکہ خدا کے ساتھ بندھ رہا ہے اور اس شہادت کے ساتھ جو نصب العین خود بخود مسلمانوں کی زندگی کا قرار پا جاتا ہے اس کے لیے کام کرنا شہادت ادا کرنے والے کا اپنا فریضہ بن جاتا ہے۔ دوسرا ایک تاریک پہلو ہمارے جماعتی نظام میں یہ ہے کہ اطاعتِ امر کی کمی پائی جاتی ہے۔ نیز ارکانِ جماعت میں باہم وابستگی اور تعاون میں نمایاں ترقی نہیں ہوئی اور ابھی تک ایسے لوگ ہم کو نہیں ملے ہیں جو مقامی امارتوں کے فرائض اچھی طرح سمجھیں اور مقامی جماعتوں کے ارکان سے صحیح طرز پر کام لے سکیں"۔

"مشکلات کا جائزہ لینے سے تین چیزیں بہت نمایاں نظر آتی ہیں۔ اولاً ہمارے پاس مردانِ کار کی بہت کمی ہے۔ دوسرے ذرائع و وسائل بہت محدود ہیں اور جنگ کی معاشی تاخت نے تو انھیں صفر کے درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ تیسری مشکل جو اسی دوسری مشکل سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ تعمیری کام کرنے والے لوگوں کا جو محدود سا ذخیرہ جماعت کے ہاتھ آیا ہے وہ بالکل منتشر ہے اور اسے سمیٹنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ کچھ پرزے ہیں جو ہندوستان کے وسیع حدود میں بکھرے پڑے ہیں۔ انھیں جمع کر کے جوڑ دینے کی اسکیم بر سرِ عمل نہیں آ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو مرکز کا فکری "پاور ہاؤس" مکمل ہو سکا ہے، نہ عملی کارروائیوں کی ضروری مشینیں باضابطہ طور پر نصب ہو سکی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس صورتِ حالات کے بعض

اسباب پر ہماری دسترس نہیں ہے لیکن جماعت اس سلسلہ میں ذمہ داری سے بالکل بری بھی نہیں ہے۔ ہمارے رفقاء میں مالی ایثار کا جذبہ بہت کم بلکہ صفر کے برابر ہے۔ ابھی تک مقصد حیات کے لیے روپیہ صرف کرنا لوگوں نے نہیں سیکھا اور انفاق فی سبیل اللہ کا ولولہ ناپید ہے۔ ممکن ہے کہ دوسری جماعتوں کی طرح اگر چندہ کی اپیلوں سے لوگوں کو ٹھیلا جاتا رہے اور "أَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ" کی صدا لگائی جاتی رہے تو یہ کمی پوری ہو جائے۔ لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ لوگ خارجی تحریک کے محتاج ہو کر رہ جائیں۔ ہماری تحریک کا مخصوص مزاج یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ کیا جائے اندرونی تحریک سے کیا جائے۔ جس طرح ایک فرد اپنی بقاء کے لیے بغیر کسی خارجی تحریک کے معدہ کو غذا بہم پہنچاتا ہے اسی طرح جماعت کو اپنے جماعتی معدہ یعنی بیت المال کی بھوک کا خود احساس کرنا چاہیئے ورنہ زندگی کی حرکت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکے گی۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے ارکان بیشتر وہی لوگ ہیں جو معاشی اعتبار سے کچھ زیادہ خوش حال نہیں ہیں لیکن اس امر کو نہ بھولنا چاہیے کہ اس دعوت نے کبھی آغاز میں خوش حال لوگوں کو اپیل نہیں کیا ہے۔ پہلے بھی زیادہ تر ایسے ہی لوگ اس کی طرف کھنچتے رہے ہیں جن کی مالی حالت بہتر نہ تھی۔ دراصل مالی ایثار کے جذبہ کا تعلق جیب کے تعلق سے اتنا زیادہ نہیں ہے جتنا دل کی لگن سے ہے۔ اسی لگن میں کمی معلوم ہوتی ہے۔

تاہم مالی حالت بالکل مایوس کن نہیں ہے۔ اس بدحالی کے زمانہ میں بھی کچھ نہ کچھ کام ہو رہا ہے لیکن بیت المال اس پوزیشن میں بھی نہیں ہے کہ کوئی بڑا کام شروع کیا جا سکے۔ جتنی تعمیری اسکیمیں مدنظر تھیں، معرض التوا میں ہیں۔ سب سے بڑا ذریعہ آمدنی بکڈپو تھا مگر کاغذ کی گرانی اور نایابی اس کی جان کو لاگو ہو گئی ہے۔ باہر سے جو رقمیں اعانت کے لیے بلا طلب آیا کرتی تھیں ۱۹۴۲ء کی بہ نسبت ۱۹۴۳ء میں ان کے اندر نمایاں کمی آ گئی ہے۔ ان حالات کو مدنظر رکھ کر ہر رفیق کو اپنی جگہ سوچنا چاہیے اور اپنے احساس ذمہ داری سے استفتا کرنا چاہیے کہ اس کا فرض کیا ہے؟

"اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ارکان کو اپنی تحریک اور دوسری تحریکوں کے فرق کا پورا پورا شعور نہیں ہے۔ حالانکہ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک عام تحریکوں سے بنیادی اختلافات

رکھتی ہے۔ اوّلاً یہ کہ اس کے سامنے پوری زندگی کا مسئلہ ہے، زندگی کے کسی ایک پہلو کا نہیں۔ ثانیاً یہ کہ خارج سے پہلے یہ باطن سے بحث کرتی ہے۔ جہاں تک پہلے پہلو کا تعلق ہے، ہمارے سامنے کام اتنا بڑا اور اتنا اہم ہے جو اسلامی تحریک کے سوا دنیا کی کسی تحریک کے سامنے نہیں ہے اور ہم اس جلد بازی کے ساتھ کام نہیں کرسکتے جس جلد بازی سے دوسرے کرسکتے ہیں۔ پھر چونکہ ہمارے لیے خارج سے بڑھ کر باطن اہمیت رکھتا ہے اس وجہ سے محض تنظیم اور محض چھوٹے سے ضابطہ بند پروگرام پر لوگوں کو چلانے اور عوام کو کسی ڈھرے پر لگا دینے سے ہمارا کام نہیں چلتا۔ ہم عوام میں عمومی تحریک (Mass-movement) چلانے سے پہلے ایسے آدمیوں کو تیار کرنے کی فکر کرتی ہے جو بہترین اسلامی سیرت کے حامل ہوں اور ایسی اعلیٰ درجہ کی دماغی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں کہ تعمیرِ افکار کے ساتھ اجتماعی قیادت کے دوہرے فرائض کو سنبھال سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں عوام میں تحریک کو پھیلا دینے کے لیے جلدی نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری تمام تر کوشش اس وقت یہ ہے کہ ملک کے اہلِ دماغ طبقوں کو متاثر کیا جائے اور ان کو کھنگال کر صالح ترین افراد کو چھانٹ لینے کی کوشش کی جائے جو آگے چل کر عوام کے لیڈر بھی بن سکیں اور تہذیبی و تمدنی معمار بھی۔ یہ کام چونکہ ٹھنڈے دل سے کرنے کا ہے اور ایک عمومی تحریک کی طرح فوری ہل چل اس میں نظر نہیں آسکتی ہے، اس وجہ سے نہ صرف ہمارے ہمدرد و ہم خیال لوگ بلکہ خود ہمارے ارکان تک بددل ہونے لگتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ارکان جماعت کام کے اس نقشہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنی قوتیں بددلی کی نذر کرنے کے بجائے کسی مفید کام میں استعمال کریں۔

یہ اعتراض بجا ہے کہ کثیر التعداد عوام کو اس نقشہ کے مطابق بلند سیرت بنانے کے لیے مدتِ مدید درکار ہے۔ مگر ہم اپنے انقلابی پروگرام کو عوام کی کامل اصلاح کے انتظار میں ملتوی کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارے پیشِ نظر صرف یہ نقشہ ہے کہ عوام کی سربراہ کاری کے لیے اور ان کی قوتوں کو راہِ حق میں استعمال کرنے کے لیے ایک ایسی مختصر جماعت فراہم کرلی جائے جس کا ایک ایک فرد اپنے بلند کیرکٹر کی جاذبیت سے ایک ایک علاقہ کے عوام کو سنبھال سکے۔ اس کی ذات عوام کا مرجع بن جائے اور کسی مصنوعی کوشش کے بغیر بالکل فطری طریقہ سے عوام کی لیڈر شپ کا منصب اسے حاصل ہو جائے۔ مگر صرف مرجعیت مفید نہیں ہے۔ اس مرجعیت سے کام لینے کے لیے دماغی صلاحیتیں بھی ہونی چاہییں تاکہ ان مرکزی شخصیتوں کے ذریعہ سے

عوام کی قوتیں مجتمع اور منظم ہو کر اسلامی انقلاب کی راہ میں صرف ہوں۔ ایک ٹھوس، پائیدار اور ہمہ گیر انقلاب کا لازمی ابتدائی مرحلہ یہی ہے۔ اس مرحلہ کو صبر سے طے کرنا ہی پڑے گا، ورنہ تحریک کی تباہی ناگزیر ہے۔ اگر موجودہ حالات میں عوام کو اکسا دیا جائے جبکہ عوام کو سنبھال کر لے چلنے والے مقامی رہنما (Sub-leaders) موجود نہیں ہیں تو عوام بالکل بے راہ روی پر اتر آئیں گے اور اپنے آپ کو نااہل لوگوں کے حوالے کر دیں گے۔"

"عمومی تحریک (Mass-movement) کے آغاز سے پہلے چند تعمیری کام کر لینے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ہم اپنے تعلیمی پروگرام کی بنا ڈال دیں، کیونکہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی زندگی میں اپنے نصب العین تک پہنچ جائیں۔ اس لیے ہمیں ابھی سے یہ فکر کرنی چاہیے کہ ہم اپنی جگہ اپنے سے بہتر کام کرنے کے لیے آئندہ نسل کو تیار کرنا شروع کر دیں۔ دوسرے ہمیں اہل قلم کا ایک ایسا لشکر تیار کر لینا چاہیے جو علوم و فنون اور ادب کے ہر پہلو سے نظامِ حاضر پر حملہ آور ہو سکے۔ کچھ سیاسی مفکر ہوں جو حال کی کافرانہ سیاست کے مکروہ خدوخال کو خوب نمایاں کریں، کچھ معاشی ماہرین ہوں جو رائج الوقت معاشی تنظیم کے عیوب کو کھولیں، کچھ علمائے قانون کی ضرورت ہے جو انسانی قوانین کی بے اعتدالیوں کو نمایاں کریں، اخلاق و نفسیات کے کچھ حکماء چاہییں جو عہدِ حاضر کے علم النفس اور علم الاخلاق کی کوتاہ بینیوں کی نشان دہی کریں، اور اس تخریبی کارروائی کے ساتھ ساتھ یہ لوگ علوم کی نئی تدوین کا تعمیری کام بھی سنبھالیں۔ ان مجتہد مفکرین کو مدد بہم پہنچانے کے لیے ادیبوں، افسانہ نگاروں اور ڈرامہ نویسوں کا ایک گروہ بھی ضرور ہونا چاہیے جو فکری میدانِ کارزار میں "گوریلا وار" لڑتا رہے۔ تیسرا تعمیری کام ہمیں یہ کرنا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے عمومی تحریک کو چلانے کے لیے کارکنوں اور رضاکاروں کی تربیت کی جائے۔ ہمیں مقرروں سے لے کر خاموش کارکنوں تک بالکل نئی وضع کے کارندے درکار ہیں جن کے اندر خشیۃ اللہ کی روح طاری و ساری ہو۔ ان تینوں شعبوں میں جس کم سے کم تعمیری کام کی ضرورت ہے اس کو انجام دینے سے پہلے یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ ہم عوام میں انقلابی دعوت پھیلانے کے لیے کوئی کامیاب اقدام کر سکتے ہیں۔"

"کام کے اس نقشہ کو اب تک بھلا نہیں گیا ہے اور آنکھیں انہیں تحریکوں سے واقف ہیں جو پچھلے ۲۰، ۲۵

برس سے چلتی رہی ہیں، اس لیے لوگ بجائے اس کے کہ ان پہلوؤں میں اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو تیار کرنے پر اپنی قوتوں کو صرف کریں، وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کوئی چلتا پھرتا کام فوراً ہونے لگے اور جب وہ ہوتا نظر نہیں آتا تو ان کے اوپر مایوسی طاری ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ بہت سے ارکان جماعت ایسے ہیں جنھوں نے مجھ سے بالمشافہہ اور بالمراسلہ یہ سوال کیا ہے کہ ہمارے لیے پروگرام کیا ہے اور ہم کیا کریں؟ یہ پروگرام کا مطالبہ اور یہ تصور کہ ان لوگوں کو کرنے کے لیے کوئی کام بتایا نہیں گیا، اس کی بنا بھی یہی ہے کہ ہمارے رفقاء ابھی تک پوری طرح سے نہیں سمجھے ہیں کہ جس تحریک کی خدمت کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے اُس کی نوعیت کیا ہے۔ درحقیقت مسلمان کو اگر اس امر کا پورا شعور حاصل ہو کہ اس دنیا میں اس کی حیثیت کیا ہے اور اس کی ذمہ داری کتنی بھاری ہے تو اسے خود بخود معلوم ہو جائے کہ اس کی پوری زندگی کے لیے ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر پروگرام موجود ہے جس پر اگر وہ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ عمل کرے تو اسے ایک لمحہ کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔

ہر شخص کو بہت سی جسمانی اور ذہنی قوتیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ بہت سے اسباب زندگی بطور امانت اس کی تحویل میں دیے ہیں، بہت سے انسانوں کے ساتھ اسے تعلقات کے رشتوں میں باندھا ہے اور ان رشتوں کے لحاظ سے مختلف ذمہ داریاں اس پر عائد کی ہیں۔ خدا کے سامنے ہر شخص کی ذمہ داری اس لحاظ سے ہے کہ وہ اپنی ان قوتوں کو کس طرح استعمال کر رہا ہے اور خدا کی سپرد کی ہوئی امانتوں میں کن طریقوں سے تصرف کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے پروگرام یہی ہے کہ ہر وقت اپنا حساب لے کر دیکھتا رہے کہ اس عظیم الشان ٹرسٹ کا ٹرسٹی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے فرائض کو کہاں تک انجام دے رہا ہے اور ان میں خدا کے منشا کو پورا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہے؟ مثلاً اگر کوئی شخص صرف اپنی قوتِ گویائی کے حساب ہی پر متوجہ رہے اور پیہم اس کوشش میں لگا رہے کہ زبان کی طاقت جس مقصد کے لیے اللہ نے اس کو عطا کی تھی اس کو کہاں تک پورا کر رہا ہے اور اس عطیہ کے ساتھ جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان کو کہاں تک نباہ رہا ہے تو شاید اس سلسلہ کے پروگرام سے ہی اس کو اتنی فرصت نہ ملے کہ اس کے بعد کسی دوسرے پروگرام کے پوچھنے کی اس کو ضرورت پیش آئے۔ یہی حال دوسری بے شمار قوتوں کی ذمہ داریوں کا ہے۔

اگر میں چند چھوٹے موٹے کاموں کو بطور پروگرام کے آپ لوگوں کے سامنے پیش کردوں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ اس بڑے اور ہمہ گیر پروگرام سے جس کی بے شمار مدات ہیں اور جس پر زندگی کے ہر سانس میں آپ کو عمل کرنا ہے، آپ غافل ہوجائیں گے اور سمجھیں گے کہ اصل کرنے کا کام وہ چند اعمال ہیں جو ایک چھوٹے سے لائحہ عمل میں آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔ اس لیے میں شدید اور پے درپے مطالبوں کے باوجود ایسی کوئی چیز پیش کرنے سے سخت احتراز کر رہا ہوں اور آئندہ بھی احتراز کروں گا۔

میری انتہائی کوشش یہ ہے کہ ہر شخص جو جماعت میں داخل ہو وہ اس بڑے پروگرام کو سمجھے اور اس پر عملدرآمد کرے جو شعوری مسلمان ہونے کے ساتھ ہی آپ سے آپ اس کی زندگی کے لیے قرار پا جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اپنے رفقاء سے بسا اوقات اس قسم کی باتیں سنتا ہوں کہ "ہمارے لیے کرنے کا کام کیا ہے؟" میں پوچھتا ہوں کہ کیا اپنی تمام کمزوریوں کو آپ دور کرچکے ہیں اور اپنے نفس کو کامل طریقہ پر اللہ کا بندہ بنانے میں کامیاب ہوچکے ہیں؟ کیا اپنی زندگی کو جاہلیت کے ہر شائبہ سے آپ پاک کرچکے ہیں؟ کیا اُن تمام حقوق کی ادائگی سے بھی آپ فارغ ہوچکے ہیں جو اللہ اور اس کے دین کی طرف سے آپ کے دماغ پر، آپ کے دل پر، آپ کے اعضاء و جوارح پر، آپ کی ذہنی و جسمانی قوتوں پر اور آپ کے مملوکہ اموال پر عائد ہوتے ہیں؟ اور کیا آپ کے گرد و پیش کوئی انسان بھی خدا سے غافل یا گمراہ یا دینِ حق سے ناواقف یا اخلاقی پستیوں میں گرا ہوا نہیں رہا ہے جس کی اصلاح کا فرض آپ پر عائد ہوتا ہو؟ ـــــ اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کے اندر یہ تخیل آکہاں سے گیا کہ آپ کے لیے کرنے کا کوئی کام نہیں رہا ہے اور اب آپ کو کچھ اور کام بتایا جائے جس میں آپ مشغول ہوں۔ یہ سارے کام تو آن ہونے پڑے ہیں جو آپ سے ہر وقت کا شدید انہماک چاہتے ہیں، اور اگر آپ ان کو اس طرح انجام دینا چاہیں جیسا کہ ان کا حق ہے تو آپ کو ایک لمحہ کے لیے دم لینے کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔ مگر چونکہ آپ کو ابھی تک پچھلی سطحی تحریکوں کے طور طریقوں کی چاٹ پڑی ہوئی ہے اور آپ کے اندر پوری طرح اسلامی تحریک کا احساس بیدار نہیں ہوا ہے اس لیے کام نہ ہونے کی اور پروگرام کے فقدان کی شکایتیں آپ کی زبان پر آتی ہیں ـــــ ان شکایتوں کے دفعیہ کی صورت میرے لیے یہی ہے کہ کام اور پروگرام بتانے کے بجائے میں آپ لوگوں میں صرف اس احساسِ ذمہ داری اور اس شعورِ اسلامی کو بیدار کرنے

کی کوشش کروں جس کے بعد کبھی نہ ختم ہونے والے کام اور دائماً منہمک رکھنے والے پروگرام کا نقشہ خود بخود آپ کے سامنے آسکتا ہے"۔

"ارکانِ جماعت کی طرف سے بار بار اس خواہش کا اظہار ہوتا رہتا ہے کہ مرکز سے ہم ان کو ہدایات ملتی رہیں اور جماعتی کارروائیوں کے سلسلہ میں لوگوں کو پیہم حرکت دی جاتی رہے۔ میں اس طریقِ کار کو صحیح نہیں سمجھتا۔ میری کوشش یہ ہے کہ ہر جگہ مقامی جماعتوں کے نظام کو چلانے کے لیے ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن میں خود قوتِ کارکردگی (Initiative) موجود ہو اور جو اپنے فرائض کو خود سمجھنے اور ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ لگے بندھے کاموں کو مقرر طریقوں کے مطابق انجام دیتے رہنے کی عادت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اصول اور طریق کار سمجھا دوں اور اصولی ہدایات دے کر چھوڑ دوں۔ اس کے بعد ارکانِ جماعت اور خصوصاً مقامی جماعتوں کے امراء کو خود اپنے کام کو سمجھنا اور انجام دینا چاہیے۔ جہاں کسی قسم کی مشکلات پیش آئیں، کہیں کوئی پیچیدگی پیدا ہو یا کوئی نئی اسکیم وہ اپنے حلقہ میں عمل میں لانا چاہتے ہوں وہاں وہ مجھ سے رجوع کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر وقت اس انتظار میں رہنا کہ ہدایات ملیں اور ٹھیلا اور دھکیلا جاتا رہے اور نگرانی اور پاسبانی ہوتی رہے، یہ اس تحریک کو چلانے کے لیے کوئی مفید صورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اس راہ پر چلنے کے لیے مستقل طور پر کسی حرکت اور ہدایت دینے والے کے محتاج رہیں گے اور اگر کسی وقت وہ ہٹ گیا تو اُلٹے پاؤں پھر جائیں گے۔ کم از کم ہمارے ابتدائی کارکن جو سابقین اولین کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی تو یہ صفت ہونی چاہیے کہ ان میں سے ہر شخص کے اندر یہ داعیہ موجود ہو کہ اگر کوئی اس راہ پر چلنے والا نہ ہو تو نہ صرف وہ خود حرکت کریں گے بلکہ دوسروں کو بھی حرکت دیں گے"۔

"منجملہ ان غلط فہمیوں کے جو آج کل عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں میں بعض مخصوص طرز کے کاموں کی اہمیت کا ایک غیر مناسب تصور پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ بس ہر شخص اسی طرز کے کام کرے اور لفظ "کام" کے معنی ہی یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہو تو بس وہی کام ہو مثلاً دیہات کا چکر لگانا یا عوام میں دعوت پھیلانا وغیرہ۔ اب قطع نظر اس کے کہ ہر شخص میں دیہاتیوں سے خطاب کرنے اور عوام کی اصلاح کرنے کی اہلیت ہو

یا نہ ہو، لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی کام کرنے کے لیے اٹھے وہ یہی کام کرے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے کام جو اپنے وزن اور نتائج کے لحاظ سے دیہاتیوں کی اصلاح اور عمومی ۔ ر ن ت کچھ کم اہم نہیں ہیں بلکہ بہت زیادہ عظیم الشان ہیں، ان کی اہمیت کو نہیں سمجھا جاتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس غلط تصور عمل سے ہمارے رفقا بھی بہت کچھ متاثر ہیں اور بعض لوگوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اپنی قابلیتوں کو سمجھے بغیر بس وہ کام کریں جسے دنیا لفظ کام سے تعبیر کرتی ہے۔ اس چیز کی غلطی اچھی طرح سمجھ لیجیے اور اس میں مبتلا ہونے سے بچیے۔

دراصل اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر شخص سے اس عبادت کا مطالبہ کرتا ہے جس کی صلاحیت اس نے اس کے اندر ودیعت کی ہے۔ جو جو قوتیں اللہ نے کسی شخص کو تفویض کی ہیں ان ساری قوتوں سے اس کو عبادت بجا لانی چاہیے اور جو خاص قوت کسی کو زیادہ عطا فرمائی ہے اس پر عبادت کا حق بھی بہ نسبت دوسری قوتوں کے زیادہ عائد ہوتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کو اللہ نے گویائی کی قوت زیادہ عطا کی ہو تو اس کے لیے اصل عبادت یہی ہوگی کہ اپنی زبان کو اعلائے کلمۃ اللہ کی خدمت میں استعمال کرے اور جسے تحریر کی نمایاں صلاحیت بخشی گئی ہو سب سے زیادہ اس کے قلم ہی پر فرائض عبودیت عائد ہوں گے۔ بہرحال ہر شخص کے ذمہ وہی کام ہے جس کی قوت خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اسے ودیعت کی ہو۔ اگر وہ اس کام کو چھوڑ کر کسی دوسرے ایسے کام میں اپنی قوتیں صرف کرتا ہے جس کی اہمیت اس میں نسبتاً کم ہے تو وہ اجر کا مستحق نہیں بلکہ اس کے مبتلائے وزر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

جب اللہ کے دین کی خدمت کے بے شمار پہلو ہیں اور ہر پہلو ایک اہمیت رکھتا ہے تو اشخاص کی مساعی کو کسی ایک دائرہ میں سمیٹنا قطعاً غلط ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم تعلیم و تدریس کے ماہرین، مصنفین، اہل صحافت سب کو دیہات میں کام کرنے کے لیے بھیج دیں۔ ایسا ہی ایک تجربہ اشتراکی انقلاب کے علمبرداروں نے ابتداءً روس میں کیا تھا۔ انھوں نے اہل دماغ کا ایک بڑا لشکر مزدوروں اور کسانوں میں کام کرنے کے لیے پھیلا دیا لیکن کثیر لوگوں کی زندگیاں ایک غلط مصرف پر صرف کر دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا ہے۔ (باقی مضمون صفحہ ۵۰۳ پر ملاحظہ فرمائیں)